درس قرآن مجید

(محمد ابراہیم محمد اکبر)

﴿واذا قیل لھم امنوا کمآ امن الناس قالوا أنؤمن کما امن السفھآء الا انھم ھم السفھآء ولکن لا یعلمونo واذا لقوا الذین امنوا قالوا امنا واذا خلوا الی شیطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزؤنo الله یستھزئ بھم ویمدھم فی طغیانھم یعمھونo﴾ (البقرہ: ۱۳، ۱۴، ۱۵)

ترجمہ: ''اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے، ایمان کی راہ اختیار کرو جس طرح اور لوگوں (صحابہ رضی اللہ عنھم) نے اختیار کی ہے، تو کہتے ہیں کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح یہ بیوقوف ایمان لے آئے ہیں؟ یاد رکھو! درحقیقت یہی لوگ بیوقوف ہیں، لیکن وہ علم نہیں رکھتے۔ جب یہ لوگ ایمان والوں سے ملتے ہیں، تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے، لیکن جب اپنے شیطانوں کے ساتھ اکیلے میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم محض تمسخر کرنے والے ہیں۔ اللہ ان سے تمسخر کرتا ہے، اور انہیں ان کی سرکشی میں ڈھیل دیتا ہے، وہ حیرانگی میں بھٹک رہے ہیں۔''

تشریح: واذا قیل لھم امنوا: اس سے ماقبل آیت میں منافقین کو فساد سے روکا گیا تھا، آیت ہذا میں ان کو ایسا ایمان لانے کا حکم فرمایا جیسے دوسرے لوگ ایمان لائے۔ اس میں لفظ (الناس) سے مراد باتفاق مفسرین صحابہ کرام رضی اللہ عنھم ہیں، کیونکہ یہی حضرات ہی نزول قرآن کے وقت ایمان لائے تھے۔ قرآن کریم نے یہی انداز ایک اور مقام پر یوں اختیار کیا ہے: ﴿فان امنوا بمثل ما امنتم بہ فقد اھتدوا﴾ (البقرہ: ۱۳۷) یعنی ''اگر یہ لوگ بھی ایمان کی راہ اس طرح اختیار کرلیں جس طرح تم نے اختیار کی ہے، تو انہوں نے ہدایت پالی۔''

اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہی ایمان معتبر ہے جو صحابہ کرام کے ایمان کی طرح ہو، یعنی جن چیزوں میں جس جس کیفیت کے ساتھ ان کا ایمان ہے اسی طرح کا ایمان دوسروں کا ہوگا، تو ایمان کہا جائے گا ورنہ نہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ صحابہ کرام کا ایمان ایک کسوٹی ہے، جس پر باقی ساری امت کے ایمان کو پرکھا جائے گا، جو اس کسوٹی پر صحیح نہ اترے۔ اس کو شرعاً ایمان اور ایسا کرنے والے کو مؤمن نہیں کہا جائے گا۔ (معارف القرآن: مولانا مفتی محمد شفیعؒ)

ایمان کی اس کسوٹی کو ماننے کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ اور اس کے خلیل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین کی روشنی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کامل مؤمن تسلیم کر کے ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی جائے۔ اس

کوشش میں جس خوش نصیب کو جس قدر کامیابی حاصل ہو گی اس قدر اس کا ایمان کامل ہو گا اور اسی نسبت سے اللہ کے ہاں اس کا درجہ بلند ہو گا۔ ایمان و اسلام کے منہج میں صحابہ کرام سے اختلاف رکھنے والا یقیناً منافق ہے لیکن ایمان کی کیفیت میں ان کے ہم پلہ ہونے کا دعویٰ کوئی مؤمن نہیں کر سکتا۔

یعنی جس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان اللہ پر' اللہ کے فرشتوں پر' اللہ کی کتابوں پر' اللہ کے رسولوں پر' بعث و نشور' جنت و جہنم اور تقدیر خیر و شر پر ہے اور امتثال اوامر و اجتناب نواھی میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک معیار قرار دیا ہے۔ (تہذیب ابن کثیر مبارکفوری) اس معیار کے خلاف کوئی عقیدہ وعمل ظاہراً کتنا ہی اعلیٰ نظر آئے اور کتنی ہی نیک نیتی سے کیا جائے اللہ کے نزدیک معتبر نہیں۔

''السفهاء'' بے وقوف لوگ' یہ سفیہ کی جمع ہے۔ سفیہ سے مراد ہے جاہل' کمزور رائے والا اور اپنے نفع نقصان کی تمیز نہ جاننے والا' قرآن کریم میں اللہ کا ارشاد ہے: ﴿ولا تؤتوا السفهآء اموالکم التی جعل الله لکم قیما﴾ (النساء: ۵) المصباح المنیر فی تہذیب ابن کثیر ص ۳۱) ''اور بے وقوف یتیموں کو اپنا وہ مال نہ دو' جس کا اللہ نے تمہیں ذمہ دار بنایا ہے''

ان منافقین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیوقوف کہا' جنہوں نے انتہائی بے سروسامانی و مظلومی کی حالت میں اللہ کی راہ میں جان و مال' دنیاوی نفع و نقصان' قوم و برادری کا پروا نہ کرتے ہوئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا' یہی ہر زمانے کے گمراہوں کا دستور رہا ہے کہ جو ان کو صحیح راہ بتلائے اس کو بیوقوف' جاہل قرار دیتے ہیں اور آج کے منافقین نعوذ باللہ یہ باور کراتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان کی دولت سے محروم تھے' اللہ تعالیٰ نے قدیم و جدید منافقین کی تردید فرمائی اور روز روشن کی طرح واضح کر دیا کہ کسی اعلیٰ مقصد کے حصول کیلئے دنیاوی منفعت کو قربان کر دینا بیوقوفی نہیں' بلکہ عین عقل مندی اور سعادت ہے' اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پکے سچے مؤمن ہی نہیں' بلکہ ایمان کیلئے معیار اور کسوٹی ہیں' ارشاد ہے ﴿فان آمنوا بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا﴾ (البقرۃ: ۱۳۷) یعنی ایمان انہیں کا معتبر ہو گا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی طرح ایمان لائیں گے۔ نیز قرآن کریم نے بتلا دیا کہ درحقیقت اعداء صحابہ خود ہی کم عقل و بیوقوف ہیں' کہ ایسی واضح نشانیوں پر ایمان نہیں رکھتے۔ (ترجمان القرآن: مولانا آزادؒ و معارف القرآن: مولانا مفتی محمد شفیع وتفسیر احسن البیان حافظ صلاح الدین یوسف)

﴿واذا لقوا الذین آمنوا: اس آیت کریمہ میں منافقین کے نفاق اور دورخی پالیسی کا ذکر یوں بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ جب ایمان والوں سے ملتے تو کہتے تھے کہ ہم ایمان لائے اور جب اپنی قوم کے شیاطین کے ساتھ اکیلے میں بیٹھتے تو کہتے ہم تمہارے ساتھ ہیں' ہم تو صرف تمسخر کرتے تھے' اور یہی قول امام ابن جریر الطبری رحمتہ اللہ علیہ

نے تمام مفسرین کا متفقہ قرار دیا ہے: اجمع اهل التأويل جميعاً لا خلاف بينهم على ان معنى قوله: ﴿انما نحن مستهزؤن﴾: "انما نحن ساخرون" (تفسیر ابن جریر ا ۱۹۰) شیاطین سے مراد یہاں ان کے سردار احبار یہود اور سربرآوردہ مشرکین و منافقین ہیں' یہ منافقین انہیں باور کراتے تھے' کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب اور قرآن کریم کی تکذیب میں' اس کے ساتھ دشمنی اور اس کے اصحاب کے ساتھ دشمنی میں تمہارے ہم مسلک و ہم مشرب ہیں۔ نیز ہم اپنے قول: ﴿امنا بالله وباليوم الاخر﴾ میں' اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محض تمسخر کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے' (المصباح المنیر فی تہذیب ابن کثیر مبارکپوری ص ۳۱ و تفسیر الطبری ا ۱۹۰)

"الله يستهزئ بهم: اس آیت میں منافقین کی اس احمقانہ گفتگو کا جواب ہے کہ یہ بے شعور سمجھتے ہیں کہ ایمان والوں سے استہزاء کرتے ہیں' حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خود انہیں کے ساتھ تمسخر ہو رہا ہے کہ اللہ کے قانون جزا نے رسی ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے' اور وہ سرکشی و تمرد کے طوفان میں بہے چلے جا رہے ہیں۔ (ترجمان القرآن مولانا آزاد و معارف القرآن: مولانا مفتی محمد شفیع)

اس کو استہزاء سے تعبیر کرنا' زبان کا اسلوب ہے' ورنہ حقیقتاً یہ استہزاء نہیں ہے' بعض اوقات برے کام کی جزا یا جواب کو اسی برائی کا نام دیا جاتا ہے' چنانچہ قرآن کریم نے کئی مقامات پر یہ محاورہ استعمال کیا ہے' اسی محاورہ کے مطابق منافقین کے مکر و فریب اور ہنسی مذاق کے مقابلہ میں جو انہیں مہلت دی اور فوراً گرفت نہ کی اس کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے ہنسی و تمسخر کرتا ہے' مطلب یہ ہے کہ ان منافقین سے ہمارا یہ سلوک اس وجہ سے نہیں ہے کہ ہم ان سے خوش ہیں' بلکہ یہ ہمارا غضب ہے اور یہی مہلت دراصل ان کے ہنسی مذاق کا بدلہ ہے جو وہ مسلمانوں سے کر رہے ہیں اور یہ ان کے فعل استہزاء کی سزا ہے' ارشاد ہے: ﴿جزاء سيئة سيئة مثلها﴾ (الشوریٰ۔ ۴۰) "اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے" اس جگہ برائی کے بدلے کو برائی کہا گیا ہے' حالانکہ وہ برائی نہیں ہے' ایک جائز فعل ہے۔ اسی طرح ﴿فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم﴾ (البقرۃ: ۱۹۴) یعنی "پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے' تو چاہئے کہ جس طرح کا معاملہ اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے' ویسا ہی معاملہ تم بھی اس کے ساتھ کرو۔" اسی طرح ﴿ومكروا ومكر الله﴾ (آل عمران: ۵۴) "اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی (مکر) خفیہ تدبیر کی۔" اسی طرح ﴿يخادعون الله وهو خادعهم﴾ (النساء: ۱۴۲) "منافق اللہ تعالیٰ کو دھوکا دے رہے ہیں' اللہ دھوکا دینے میں ان کو مغلوب کر رہا ہے" اسی طرح آیت کریمہ: "الله يستهزئ بهم" کا مطلب بھی یہی ہے' اس مقام

پر امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے : ولیس منه سبحانه مکرولاھزء ولاکیدٌ انماھوجزاء لمکرھم و استھزائھم و جزاء کیدھم یعنی یہ اسلوب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے نہ مکر ہے نہ استہزاء اور نہ دھوکا ہے 'بلکہ یہ ان کے مکر و تمسخر اور دھوکے کا بدلہ و جزا ہے۔(القرطبی ۱/ ۲۰۱،احسن التفاسیر حافظ یوسف صلاح الدین ص ۱۱،واشرف الحواشی ص ۵)

﴿الله یستھزی بہم﴾ کی مذکورہ تفسیر صفات الٰہی میں تاویل کرنے والوں کے منہج سے قریب تر ہے۔ سلف صالحین کے عقیدے کے مطابق واقعی اللہ پاک ان سے استہزاء کرتا ہے۔ لیکن اللہ کے استہزاء میں یہ خصوصیات ہیں :

(۱) یہ استہزاء اس ﴿عزیز ذو انتقام﴾ ذات کا اختیاری فعل ہے۔

(۲) اللہ ﴿علیٰ کل شیء قدیر﴾ ذات "الجزاء من جنس العمل" کے تحت منافقین کی استہزاء کا انتقام اسی طرح لے گا۔

(۳) یہ استہزاء رب ذوالجلال کی شان 'عظمت اور تقدیس کے لائق ہے۔

(۴) منافقین یا کسی اور مخلوق کے استہزاء سے مشابہت نہیں رکھتا۔

(۵) اس استہزاء میں کسی قسم کا عیب اور نقص نہیں۔

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ اللہ پاک ان سے یہ استہزاء قیامت کے روز کریں گے۔ جیسے کہ اللہ عزوجل کا ارشاد پاک ہے : ﴿یوم یقول المنافقون و المنافقات للذین اٰمنوا انظرونا نقتبس من نور کم قیل ارجعوا وراء کم فالتمسوا نورا فضرب بینھم بسورله باب باطنه فیه الرحمة و ظاھره من قبله العذاب﴾(الحدید ۱۳)
"اس دن منافق مرد و عورتیں مؤمنوں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ استفادہ کریں 'کہا جائے گا کہ تم پیچھے لوٹ جاؤ اور نور تلاش کرو۔ تب ان کے مابین ایک دیوار حائل کی جائے گی جس میں دروازہ بھی ہوگا۔ اس کے اندرونی حصہ میں تو رحمت الٰہی ہوگی اور باہر کی طرف عذاب ہوگا۔"

اس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ روز قیامت اہل ایمان کو درجہ بدرجہ نور حاصل ہوگا اور اللہ خیر الماکرین جل جلالہ منافقین کو کچھ فاصلے تک اہل ایمان کے ساتھ چلنے دیں گے۔ پھر یہ پھسڈی ہو کر پیچھے رہ جائیں گے۔ ان پر تاریکی مسلط ہوگی تو وہ اہل ایمان کو پکاریں گے کہ ذرا ٹھہر کر ہمیں بھی ساتھ لئے چلو۔ اس موقع پر اللہ پاک کی طرف سے بطور استہزاء یہ کہا جائے گا کہ ذرا پیچھے مڑ کر نور تلاش کر کے لے آؤ (یعنی دنیا میں واپس جا کر ایمان راسخ اور عمل صالح لے آؤ) اتنے میں مؤمنوں اور منافقوں کے درمیان ایک دیوار حائل کی جائے گی اور وہ اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔

امام ابن جریر کہتے ہیں : فھذا وما اشبھه من استھزاء الله تعالیٰ ذکرُہ و سخریتِه و مکرِه و خدیعتِه للمنافقین واھل الشرك به۔" پس یہ اور اس جیسے واقعات اللہ تعالیٰ کے استہزاء' سخریہ 'مکر اور خدع میں سے ہیں جو منافقین اور مشرکین کے ساتھ کرے گا۔" (تفسیر القرآن العظیم ۸۱/۱) (ادارہ)